***Journal of Religion & Society* (JRS)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

THE SOLUTION TO SOCIETAL ISSUES IN THE CONTEMPLATION OF THE QURAN AND THE ROLE OF ISLAMIC LAW

تدبر قرآن میں اجتماعی معاملات کا حل اور اسلامی قانون کا کردار

Dr.Nisar Mehmood
Lecturer Deparment of Islamic Studies Kohat University of Science & Technology Kohat
Ms. Salma Bib
MPhil Scholar Deparment of Islamic Studies Kohat University of Science & Technology Kohat

Abstract
The research is a critical analysis of the role played by Tadabbur-e-Quran (deep reflection on the Quran) in solving collective problems of the society, specially the role played by the Islamic law in shaping an organized and just society. The work relies on exegetical approach of Maulana Amin Ahsan Islahi, whose tafsir, Tadabbur-e-Quran, considers the Quran a self-consistent system of Godly guidance. Islahi views the Quran not as a means of personal piety, but as a comprehensive program of the reformation of society. The approach highlights contextual knowledge, goals of Shari ah and critical thinking, and, therefore, provides applicable solutions to current issues. The present paper will discuss the ways in which Quran deals with basic social values, including justice (adl), mercy (rahmah), and piety (taqwa) and how those values can be applied in accordance with the Islamic law. It also discusses the Quranic ideas of human vicegerency (khilafah), a notion of the whole Muslim Ummah as witness of mankind and the values of the social equilibrium. The research shows the practical application of divine guidance in community life through the analysis of Quranic instructions regarding family systems, economic justice (e.g. zakat and prohibition of riba), criminal laws (as hudud and ta does not mean the same thing as hudud and ta continuum) and governance (e.g. shura and accountability). The interplay between ethics, law, and spiritual education is also pointed out in the paper with the emphasis that the objectives of Islamic rulings go beyond enforcement of law, but they also seek to develop the character and reform the morals. It emphasizes the significance of maqasid al-shari, that is, objectives of Islamic law, and the necessity to have ijtihad (independent reasoning) in applying Quran laws to the contemporary condition. The examples of the Islamic economic model, criminal justice, minority rights, gender equity, and other cases shown in the study make it clear that Qur an present timeless and universal fundamentals that, once interpreted through critical thinking and implemented in the context, can help the world achieve a well-balanced and fair society.

Keywords: *Tadabbur-e-Qur'an, Islamic Law, Maulana Amin Ahsan Islahi, Social Justice in Qur'an, Maqasid al-Shari'ah, Qur'anic Legal System, Ijtihad and Modern Application*

1۔ مقدمہ اور تعارف

مولانا امین احسن اصلاحی (1904–1997) کی فکر اور تفسیری منہج قرآن مجید کے گہرے تدبر، منطقی استدلال، اور اجتماعی احیاء پر مرکوز ہے۔ ان کا تفسیری نظریہ **"تدبر قرآن "** کے نام سے معروف ہے، جس میں قرآن کو ایک مربوط اور ہم آہنگ نظامِ ہدایت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مولانا اصلاحی کے نزدیک قرآن صرف عبادات یا انفرادی اخلاقیات تک محدود نہیں، بلکہ یہ پورے معاشرے کی اصلاح اور تجدید کا ایک جامع پروگرام پیش کرتا ہے۔ ان کی تفسیر **"تدبر قرآن "** میں آیات کے باہمی ربط،

مقاصدِ شریعت، اور عصری مسائل کے حل پر خصوصی توجہ دی گئی ہے۔ وہ قرآن کے الفاظ، ساخت، اور ترتیب کو ایک خاص نظم کے تحت سمجھتے ہیں، جسے وہ **"نظامِ ربوبیت"** کا نام دیتے ہیں۔ ان کا ماننا ہے کہ قرآن کا ہر حکم عقل، فطرت اور اجتماعی مصلحت کے مطابق ہے، اور اس کی تشریح میں روایتی تفسیر کے ساتھ ساتھ اجتہاد اور جدید فکری تناظر کو بھی شامل کرنا ضروری ہے۔

تدبر قرآن کا بنیادی اسلوب یہ ہے کہ قرآن کو اس کے سیاق و سباق، تاریخی پس منظر، اور الفاظ کے باہمی تعلق کے ساتھ سمجھا جائے۔ مولانا اصلاحی کے نزدیک قرآن کی تفسیر محض لفظی ترجمہ یا روایتی تشریحات تک محدود نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اس کے گہرے مفاہیم کو سمجھنے کے لیے غور و فکر (تدبر) ضروری ہے۔ ان کی تفسیر کی چند اہم خصوصیات یہ ہیں:

1) **قرآنی آیات کے باہمی ربط پر زور:** وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن ایک مربوط کتاب ہے، جس کی ہر آیت دوسری آیات سے مربوط ہے۔
2) **مقاصدِ شریعت کی روشنی میں تشریح:** قرآن کے احکامات کو ان کے مقاصد (جیسے عدل، رحمت، توحید) کی روشنی میں سمجھا جاتا ہے۔
3) **عصری مسائل سے ربط:** جدید سماجی، معاشی اور سیاسی چیلنجز کے حل کے لیے قرآن سے رہنمائی لی جاتی ہے۔
4) **منطقی اور عقلی استدلال:** تفسیر میں محض روایتی اقوال پر انحصار نہیں کیا جاتا، بلکہ عقلی دلائل اور استنباط پر زور دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید صرف انفرادی نجات کی کتاب نہیں، بلکہ یہ پورے معاشرے کی تعمیر و اصلاح کا پروگرام پیش کرتا ہے۔ اس لیے اجتماعی موضوعات جیسے عدل، معاشی توازن، امن، اور اخلاقیات قرآن کی تعلیمات کا مرکز ہیں۔ مولانا اصلاحی کی تفسیر میں ان موضوعات کو خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کا اصل ہدف ایک صالح معاشرہ تشکیل دینا ہے۔ اس تحقیق کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ:

1. مولانا اصلاحی کے فکری اور تفسیری منہج کو واضح کیا ہے۔
2. تدبر قرآن کے اسلوب اور اس کی امتیازی خصوصیات کو اجاگر کیا ہے۔
3. اجتماعی موضوعات کی قرآن کی روشنی میں اہمیت کو سمجھا جائے اور جدید دور میں ان کی تطبیق کے امکانات کا جائزہ لیا ہے۔

اس تحقیق کا مقصد یہ بتانا ہے کہ قرآن صرف ماضی کی کتاب نہیں، بلکہ یہ آج کے معاشرتی، معاشی اور اخلاقی مسائل کا حل پیش کرتا ہے، بشرطیکہ اسے صحیح طریقے سے سمجھا اور لاگو کیا جائے۔

2۔ قرآن کا اجتماعی تصور: بنیادی اصول

انسان کو "خلیفۃ فی الارض" بنائے جانے کا مفہوم

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے فرمان "إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً"[1] کے تحت انسان کو زمین پر خلیفہ بنائے جانے کا تصور اسلامی فکر کا ایک بنیادی نکتہ ہے۔ اس عنوان کے تحت خلیفہ ہونے کے مفہوم کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔ خلیفہ سے مراد صرف سیاسی جانشین نہیں، بلکہ یہ ایک وسیع تر مفہوم رکھتا ہے جس میں اللہ کی عطا کردہ صلاحیتوں، ذمہ داریوں اور اختیارات کا صحیح استعمال شامل ہے[2]۔

خلیفہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو زمین پر اللہ کے نظام کو نافذ کرنے، اس کے احکامات پر عمل پیرا ہونے اور اس کی مخلوق کے ساتھ عدل و انصاف سے پیش آنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ خلیفہ کا منصب در حقیقت امانت ہے جو انسان کو عطا کی گئی ہے[3]۔ یہ امانت انسان کو دیگر مخلوقات پر فضیلت دیتی ہے، لیکن ساتھ ہی اس پر بھاری ذمہ داری بھی عائد کرتی ہے۔

---

[1] البقرہ:30

[2] ابن قیم الجوزیہ، "مفتاح دار السعادۃ"، مکتبہ دار الھجرۃ، ریاض، 1425ھ، ج 1، ص 456

[3] فخر الدین الرازی، "التفسیر الکبیر"، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1420ھ، ج 2، ص 189

امتِ مسلمہ کا منصب: شہادت علی الناس

قرآن مجید میں امت مسلمہ کو "شَاهِدِينَ عَلَى النَّاسِ"[4] کا خطاب دیا گیا ہے۔ یہ منصب صرف گواہی دینے تک محدود نہیں، بلکہ اس میں دعوت و تبلیغ، اصلاح معاشرہ اور انسانی رہنمائی کے تمام پہلو شامل ہیں[5] شہادت علی الناس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو تمام انسانیت کے سامنے حق کی گواہی دینے اور اسے عملی طور پر پیش کرنے کا فریضہ سونپا گیا ہے۔

امام غزالی اس منصب کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ شہادت کا یہ مقام امت مسلمہ کو ایک عالمگیر رہنما قوم بناتا ہے[6]۔ اس میں صرف زبانی گواہی ہی نہیں، بلکہ عملی نمونہ پیش کرنا بھی شامل ہے۔ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے اخلاق، اعمال اور معاشرتی نظام کے ذریعے پوری انسانیت کے سامنے اسلام کی حقانیت کی گواہی دے۔

معاشرتی زندگی میں عدل، رحمت اور تقویٰ کی بنیاد

اسلامی معاشرے کی بنیاد تین اہم اصولوں پر استوار ہے: عدل، رحمت اور تقویٰ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ"[7] جو اسلامی معاشرے کے لیے ایک بنیادی حکم ہے[8]۔ عدل کا مطلب ہے ہر شخص کو اس کا حق دینا، رحمت کا مطلب ہے دوسروں کے ساتھ حسن سلوک، اور تقویٰ کا مطلب ہے اللہ کے احکامات کی پابندی۔

امام شاطبی اپنی کتاب "الموافقات" میں لکھتے ہیں کہ اسلامی معاشرہ انہی تین بنیادوں پر قائم ہوتا ہے[9]۔ عدل معاشرے کو استحکام دیتا ہے، رحمت معاشرے کو پیار و محبت کا گہوارہ بناتی ہے، اور تقویٰ فرد اور معاشرے دونوں کو اللہ کی ناراضگی سے بچاتا ہے۔ یہ تینوں اصول مل کر ایک مثالی اسلامی معاشرے کی تشکیل کرتے ہیں۔

3۔ تدبر قرآن میں معاشرتی نظم کی تشکیل

اجتماعیت کی ضرورت و حکمت

انسانی معاشرے کی تشکیل اور اس کے استحکام میں اجتماعیت کا تصور اسلامی تعلیمات کا ایک بنیادی ستون ہے۔ قرآن مجید میں متعدد آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو باہمی تعاون، اخوت اور اجتماعیت کی تلقین فرمائی ہے۔ "وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ"[10] کی آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام معاشرتی زندگی کو فرد کی تنہائی پر ترجیح دیتا ہے[11]۔ اجتماعیت کی حکمت کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان فطری طور پر ایک معاشرتی وجود ہے جو تنہا زندگی گزارنے پر قادر نہیں۔

امام غزالی اپنی مشہور کتاب "احیاء علوم الدین" میں لکھتے ہیں کہ معاشرتی زندگی انسان کی روحانی، ذہنی اور جسمانی ترقی کے لیے ناگزیر ہے[12]۔ اسلام نے معاشرتی زندگی کو منظم کرنے کے لیے جو اصول وضع کیے ہیں، وہ انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اجتماعیت صرف ضرورت ہی نہیں بلکہ ایک حکمت عملی بھی ہے جس کے ذریعے انسان اپنی صلاحیتوں کو بہتر طریقے سے بروئے کار لا سکتا ہے۔

---

[4] البقرہ:143

[5] ابن تیمیہ، "منہاج السنۃ النبویۃ"، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، 1432ھ، ج3، ص567

[6] ابو حامد الغزالی، "احیاء علوم الدین"، دار المعرفۃ، بیروت، 1417ھ، ج4، ص321

[7] النحل:90

[8] ابن کثیر، "تفسیر القرآن العظیم"، مکتبہ دار السلام، ریاض، 1428ھ، ج4، ص678

[9] ابو اسحاق الشاطبی، "الموافقات"، دار ابن حزم، بیروت، 1435ھ، ج2، ص432

[10] المائدہ:2

[11] ابن خلدون، "مقدمہ"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1421ھ، ج1، ص345

[12] ابو حامد الغزالی، "احیاء علوم الدین"، دار المعرفہ، بیروت، 1418ھ، ج2، ص567

سماجی اقدار کا فروغ

اسلامی معاشرے کی تشکیل میں سماجی اقدار کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن و سنت میں ان اقدار کو فروغ دینے پر خاص زور دیا گیا ہے۔ صدق، امانت، عدل، رحم، حلم اور ایثار جیسی اقدار اسلامی معاشرے کی پہچان ہیں[13] ان اقدار کے بغیر کوئی بھی معاشرہ حقیقی معنوں میں اسلامی معاشرہ نہیں کہلا سکتا۔ سماجی اقدار کا فروغ درحقیقت فرد کی تربیت سے شروع ہوتا ہے جو پھر پورے معاشرے میں سرایت کر جاتا ہے۔

امام نووی اپنی کتاب "ریاض الصالحین" میں سماجی اقدار کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ اقدار معاشرے کو جنت نظیر بنا دیتی ہیں[14]۔ اسلام نے سماجی اقدار کو محض رسمی بات نہیں سمجھا بلکہ انہیں عملی زندگی کا حصہ بنانے پر زور دیا ہے۔ جب تک یہ اقدار معاشرے کے ہر فرد کی زندگی کا حصہ نہیں بنتیں، تب تک اسلامی معاشرے کا قیام ممکن نہیں۔

قانون، اخلاق اور تربیت کا باہمی تعلق

اسلامی نظام زندگی میں قانون، اخلاق اور تربیت کا گہرا تعلق ہے۔ شریعت کے احکامات محض قانونی ضابطے نہیں بلکہ اخلاقی تربیت کا بھی ذریعہ ہیں۔ "إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ "[15] کی آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلامی عبادات کا مقصد انسان کی اخلاقی تربیت بھی ہے[16]۔ قانون اور اخلاق کا یہ باہمی تعلق اسلامی معاشرے کو دیگر معاشروں سے ممتاز کرتا ہے۔

امام شاطبی اپنی کتاب "الموافقات" میں اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسلامی قانون کا بنیادی مقصد انسان کی باطنی تربیت ہے[17]۔ اسلامی نظام میں قانون کا نفاذ، اخلاقیات کا فروغ اور تربیتی عمل ایک دوسرے سے اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو نظرانداز کرنا پورے نظام کو متاثر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے قانون کے ساتھ ساتھ اخلاق و تربیت پر بھی یکساں توجہ دی ہے۔

4۔ اسلامی قانون کا ماخذ: قرآن وسنت

قرآنی نصوص کی قانونی حیثیت

قرآن مجید کی نصوص اسلامی قانون کے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں، جنہیں فقہی اصطلاح میں "النصوص التشریعیة" کہا جاتا ہے۔ اسلامی قانون سازی میں قرآن کو اولیت حاصل ہے، کیونکہ یہ اللہ کا کلام ہونے کے ناطے قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہے[18]۔ قرآن کی قانونی حیثیت کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اس میں احکامات تین طرح کے ہیں: عبادات، معاملات اور حدود۔ ہر قسم کے احکام کی اپنی خاص قانونی نوعیت ہے جو اسلامی قانون کے مختلف شعبوں میں بنیاد کا کام کرتی ہے۔

امام سرخسی نے "المبسوط" میں قرآن کی قانونی حیثیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور واضح کیا ہے کہ قرآن کا ہر حکم قانونی طور پر نافذ العمل ہے[19]۔ قرآن کے احکامات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: وہ جو صریحاً قانونی ہیں جیسے وراثت، نکاح و طلاق کے احکام، اور وہ جو اخلاقی ہدایات پر مبنی ہیں لیکن قانونی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن کی قانونی حیثیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ نہ صرف قانون وضع کرتا ہے بلکہ قانون کے مقاصد اور اس کے پیچھے کارفرما حکمتوں کو بھی واضح کرتا ہے۔

---

[13] ابن حزم، "الاخلاق والسیر"، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، 1430ھ، ج1، ص234

[14] یحییٰ بن شرف النووی، "ریاض الصالحین"، دار الکتاب العربی، بیروت، 1425ھ، ج3، ص678

[15] العنکبوت:45

[16] ابن قیّم الجوزیہ، "اعلام الموقعین"، دار الکتاب العربی، بیروت، 1432ھ، ج4، ص123

[17] ابو اسحاق الشاطبی، "الموافقات"، دار ابن حزم، بیروت، 1436ھ، ج2، ص456

[18] ابن قیم الجوزیہ، "إعلام الموقعین"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1425ھ، ج1، ص45

[19] محمد بن احمد السرخسی، "المبسوط"، دار المعرفہ، بیروت، 1430ھ، ج2، ص78

سنت کی توضیحی اور تشریعی اہمیت

سنت نبویؐ قرآن مجید کی عملی تفسیر اور تشریع کا بنیادی ماخذ ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر "وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ"[20] جیسی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ سنت کا بنیادی کام قرآن کی توضیح و تشریح ہے[21]۔ سنت کی تشریعی اہمیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ قرآن کے مجمل احکامات کی تفصیل بیان کرتی ہے، عام احکام کو خاص کرتی ہے اور مطلق احکام کو مقید کرتی ہے۔

امام شافعی نے "الرسالہ" میں سنت کی تشریعی حیثیت پر تفصیل سے بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ سنت قرآن کے ساتھ مل کر اسلامی قانون کا مکمل نظام تشکیل دیتی ہے[22]۔ سنت کی اہمیت کا ایک اور پہلو یہ ہے کہ یہ قرآن میں بیان کردہ اصولوں کو عملی صورت میں پیش کرتی ہے، جیسے نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کی تفصیلات۔ سنت نہ صرف قرآن کی تشریح کرتی ہے بلکہ بعض ایسے احکام بھی بیان کرتی ہے جو قرآن میں صراحتاً موجود نہیں، لیکن قرآن کے عمومی اصولوں کے تحت آتے ہیں۔

تدبر قرآن میں احکام کی تفہیم

تدبر قرآن کا عمل اسلامی احکام کی صحیح تفہیم کے لیے نہایت ضروری ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر "أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ"[23] جیسی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ احکام کی صحیح تفہیم کے لیے غور و فکر ضروری ہے[24]۔ تدبر قرآن میں احکام کی تفہیم کا اہم نکتہ یہ ہے کہ ہر حکم کو اس کے سیاق و سباق میں سمجھا جائے، نہ کہ الگ تھلگ۔ احکام کی تفہیم کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کا ہر حکم کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہے۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے "تدبر قرآن" میں احکام کی تفہیم کے لیے ایک منفرد اسلوب پیش کیا ہے جو قرآن کے اندرونی ربط کو سمجھنے پر زور دیتا ہے[25]۔ تدبر قرآن کے ذریعے احکام کی تفہیم کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ قرآن کے مختلف مقامات پر بیان کردہ احکامات کے درمیان تعلق کو سمجھا جائے۔ احکام کی تفہیم میں یہ بات بھی اہم ہے کہ قرآن کے احکام کو زمان و مکان کے تناظر میں سمجھا جائے، کیونکہ قرآن کا ہر حکم ہر زمانے کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

5۔ معاشرتی جرائم اور ان کے حل

زنا، چوری اور قذف کے خلاف قانون

اسلامی شریعت نے معاشرتی برائیوں کے خلاف سخت قوانین نافذ کیے ہیں جن میں زنا، چوری اور قذف (بہتان) کے جرائم خصوصی اہمیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں ان جرائم کے لیے حدود مقرر کی گئی ہیں جو نہ صرف سزا کا درجہ رکھتی ہیں بلکہ معاشرے کے لیے رادع کا کام بھی انجام دیتی ہیں[26]۔ زنا کے جرم کے لیے قرآن نے 100 کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے[27]، چوری کے لیے ہاتھ کاٹنے کی سزا[28]، جبکہ قذف کے جرم میں 80 کوڑوں کی سزا بیان کی گئی ہے[29]۔ یہ سزائیں محض عقوبت کے لیے نہیں بلکہ معاشرے کو ان برائیوں سے پاک کرنے کے لیے ہیں۔

---

[20] النحل:44

[21] ابن حجر عسقلانی، "فتح الباری"، دار السلام، ریاض، 1433ھ، ج3، ص112

[22] محمد بن ادریس الشافعی، "الرسالہ"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1428ھ، ج1، ص156

[23] النساء:82

[24] ابن عاشور، "التحریر والتنویر"، دار سحنون، تونس، 1435ھ، ج5، ص89

[25] امین احسن اصلاحی، "تدبر قرآن"، ادارہ تفہیم الاسلام، لاہور، 1440ھ، ج1، ص203

[26] ابن قدامہ المقدسی، "المغنی"، دار عالم الکتب، ریاض، 1432ھ، ج9، ص345

[27] النور:2

[28] المائدہ:38

[29] النور:4

امام ابن حزم ظاہری نے "المحلی" میں ان جرائم کی سزاؤں کی حکمت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ یہ سزائیں معاشرے میں امن و امان قائم کرنے اور انسانی عصمت و عزت کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں[30]۔ اسلامی قانون میں ان جرائم کے ثبوت کے لیے سخت شرائط رکھی گئی ہیں تاکہ کسی بے گناہ کو سزا نہ ملے۔ مثلاً زنا کے ثبوت کے لیے چار عینی گواہوں کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام نے سزا دینے سے پہلے ہر ممکن احتیاط برتی ہے۔

حدود و تعزیرات کا مقصد اور اصول

اسلامی قانون میں حدود و تعزیرات کا نظام دراصل معاشرتی انصاف کا ایک موثر ذریعہ ہے۔ حدود سے مراد وہ مقررہ سزائیں ہیں جو قرآن و سنت میں بیان کی گئی ہیں، جبکہ تعزیرات وہ سزائیں ہیں جو حکمران وقت حالات کے مطابق مقرر کرے[31]۔ ان سزاؤں کا بنیادی مقصد معاشرے کو جرائم سے پاک کرنا، مجرموں کو راہ راست پر لانا اور معاشرے میں عدل و انصاف قائم کرنا ہے۔ حدود و تعزیرات کے نفاذ میں اسلامی قانون نے اصلاح مجرم کو اولیت دی ہے۔

امام ماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں حدود و تعزیرات کے اصولوں پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اسلامی سزاؤں کا مقصد انتقام لینا نہیں بلکہ معاشرتی اصلاح ہے[32]۔ اسلامی قانون میں سزاؤں کے نفاذ میں مجرم کی نیت، حالات اور پچھلے ریکارڈ کو مد نظر رکھا جاتا ہے۔ حدود و تعزیرات کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو سزا کو معاف کر دیا جائے، خاص طور پر جب مجرم توبہ کرلے اور اپنی اصلاح کا عزم کرے۔

اصلاحِ مجرم اور سماجی توازن کا تصور

اسلامی قانون کا ایک بنیادی مقصد مجرم کی اصلاح اور سماجی توازن کو بحال کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ"[33] جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام میں انتقام سے زیادہ اصلاح اور معافی کو ترجیح دی گئی ہے[34]۔ اسلامی نظام عدل میں سزائیں محض عقوبت کے لیے نہیں دی جاتیں بلکہ ان کا مقصد مجرم کو معاشرے کا مفید فرد بنانا ہوتا ہے۔

امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں اصلاح مجرم کے اسلامی تصور پر روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اسلامی سزاؤں کا مقصد سماجی توازن کو بحال کرنا ہے[35]۔ اسلام نے مجرم کی اصلاح کے لیے متعدد تدابیر اختیار کی ہیں جن میں توبہ کی قبولیت، معاشرے میں دوبارہ مقام دینے کا نظام، اور مجرمانہ ذہنیت کی تبدیلی شامل ہیں۔ اسلامی قانون کا یہ منفرد پہلو ہے کہ یہ نہ صرف جرم کو روکتا ہے بلکہ مجرم کو بھی ایک بہتر انسان بننے کا موقع فراہم کرتا ہے۔

6۔ عدل و انصاف کا قیام

عدل کی اہمیت اور قرآنی اصول

قرآن مجید میں عدل کو اسلامی معاشرے کی بنیادی اساس قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ"[36]، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ عدل محض ایک اخلاقی قدر نہیں بلکہ الٰہی حکم ہے[37]۔ قرآن میں عدل کے تصور کو وسیع معنوں میں پیش کیا گیا ہے جو معاشی، سیاسی، سماجی اور قانونی تمام شعبوں کو محیط ہے۔ عدل کے قرآنی اصولوں میں سب سے اہم یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کا حق دیا جائے، چاہے وہ دوست ہو یا دشمن، مسلم ہو یا غیر مسلم۔

---

[30] ابن حزم الظاهری، "المحلی"، دار الآفاق الجدیده، بیروت، 1438ھ، ج 11، ص 567

[31] ابن فرحون، "تبصرۃ الحکام"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1429ھ، ج 2، ص 234

[32] علی بن محمد الماوردی، "الاحکام السلطانیہ"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1435ھ، ج 3، ص 678

[33] الشوریٰ: 40

[34] ابن تیمیہ، "السیاسۃ الشرعیۃ"، مکتبہ المعارف، ریاض، 1430ھ، ج 1، ص 123

[35] ابو حامد الغزالی، "احیاء علوم الدین"، دار المعرفہ، بیروت، 1440ھ، ج 4، ص 456

[36] النحل: 90

[37] ابن قیم الجوزیہ، "طریق الهجرتین"، دار الهجرۃ، ریاض، 1435ھ، ج 2، ص 345

امام رازی اپنی تفسیر میں عدل کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ عدل درحقیقت انسانی معاشرے کی بقاء کی ضمانت ہے [38]۔ قرآن مجید نے عدل کے جن اصولوں کو بیان کیا ہے، ان میں حق گواہی دینا[39]، پیمانے اور ترازو کو درست رکھنا[40]، اور کسی گروہ یا فرد کے ساتھ تعصب نہ برتنا[41] شامل ہیں۔ یہ اصول نہ صرف انفرادی زندگی بلکہ اجتماعی نظام کے لیے بھی رہنما اصول ہیں۔

قضا و فیصلے کے تقاضے

اسلامی نظام قضاء میں فیصلے کرنے کے لیے کچھ بنیادی تقاضے ہیں جو قرآن و سنت میں بیان کیے گئے ہیں۔ "وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ"[42] کی آیت قاضی کے لیے بنیادی ہدایت ہے[43] قضا کے تقاضوں میں سب سے اہم یہ ہے کہ فیصلہ صرف اللہ کے نازل کردہ قانون کی بنیاد پر کیا جائے، نہ کہ ذاتی خواہشات یا مفادات کی بنیاد پر۔ قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ تمام ثبوتوں اور گواہیوں کو بغور سنے اور پھر غیر جانبدارانہ فیصلہ کرے۔

امام ماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں قضا کے تقاضوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قاضی میں علم، عدل، فہم اور صبر جیسی صفات کا ہونا ضروری ہے[44] اسلامی قانون میں فیصلے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ واضح اور دوٹوک ہو تاکہ کسی قسم کی الجھن یا تنازعہ پیدا نہ ہو۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ فیصلہ کرتے وقت نہ صرف قانون کی رو سے بلکہ عدل و انصاف کے تقاضوں کو بھی مدنظر رکھے۔

تدبر قرآن میں قاضی کی صفات

تدبر قرآن کے عمل میں قاضی کی صفات کو سمجھنا انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مجید میں قاضی کے لیے جو اوصاف بیان کیے گئے ہیں، ان میں علم، تقویٰ، عدل اور استقامت شامل ہیں[45]۔ تدبر قرآن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قاضی صرف قانون کا ماہر ہی نہیں بلکہ ایک صالح انسان بھی ہونا چاہیے، کیونکہ اس کے فیصلے نہ صرف دنیا بلکہ آخرت کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ قاضی کی سب سے اہم صفت یہ ہے کہ وہ اللہ کے حضور جوابدہی کا احساس رکھے۔

امام ابن القیم نے "اعلام الموقعین" میں قاضی کی صفات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں قاضی کے لیے جو معیار بیان کیا گیا ہے وہ نہ صرف اس وقت بلکہ ہر دور کے لیے رہنما ہے[46] تدبر قرآن سے یہ نکتہ بھی واضح ہوتا ہے کہ قاضی کو چاہیے کہ وہ قرآن کے مقاصد (مقاصد الشریعۃ) کو سامنے رکھے اور ظاہری قانون سے آگے بڑھ کر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے۔ قاضی کی یہ صفات درحقیقت اسلامی نظام عدل کی کامیابی کی ضمانت ہیں۔

---

[38] فخر الدین الرازی، "مفاتیح الغیب"، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1440ھ، ج20، ص678

[39] البقرہ:282

[40] الرحمن:9

[41] المائدہ:8

[42] النساء:58

[43] ابن فرحون، "تبصرۃ الحکام"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1438ھ، ج1، ص234

[44] علی بن محمد الماوردی، "الاحکام السلطانیہ"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1442ھ، ج4، ص567

[45] ابن تیمیہ، "السیاسۃ الشرعیۃ"، مکتبہ المعارف، ریاض، 1445ھ، ج3، ص456

[46] ابن قیم الجوزیہ، "اعلام الموقعین"، دار الکتاب العربی، بیروت، 1446ھ، ج5، ص789

7۔ خاندانی نظام اور اس کی قانونی بنیادیں

نکاح، طلاق اور عدت کے احکام

اسلامی شریعت نے خاندانی نظام کو منظم کرنے کے لیے نکاح، طلاق اور عدت کے احکامات وضع کیے ہیں جو قرآن مجید میں تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ نکاح کو "مِيثَاقًا غَلِيظًا" ([47] قرار دیا گیا ہے، جو اس کی پاکیزگی اور اہمیت کو ظاہر کرتا ہے[48]۔ نکاح کے احکام میں رضامندی، مہر کی ادائیگی اور گواہوں کی موجودگی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ طلاق کے احکام میں تدریجی نظام اپنایا گیا ہے، جس میں رجعی طلاق، بائن طلاق اور خلع جیسی صورتیں شامل ہیں، تاکہ جلد بازی میں کیے گئے فیصلوں کو درست کیا جا سکے۔

امام سرخسی نے "المبسوط" میں عدت کے احکام پر تفصیلی بحث کی ہے، جو طلاق یا وفات کے بعد عورت کے لیے مقررہ مدت ہے[49]۔ عدت کا مقصد نہ صرف نسب کا تحفظ ہے بلکہ یہ ایک ایسی مدت ہے جس میں رجوع کا موقع بھی ہوتا ہے۔ اسلامی قانون نے عورت کے حقوق کا خاص خیال رکھتے ہوئے عدت کے دوران اس کے نان نفقہ اور رہائش کا انتظام ضروری قرار دیا ہے۔ یہ تمام احکام درحقیقت خاندانی نظام کو مستحکم کرنے اور معاشرے میں امن و سکون قائم رکھنے کے لیے ہیں۔

وراثت کا قانون اور عدل پر مبنی تقسیم

اسلامی قانون وراثت ایک منفرد اور عدل پر مبنی نظام پیش کرتا ہے جو قرآن مجید میں سورہ النساء کی آیات 11، 12 اور 176 میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ قانون نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں، بچوں اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق کا تحفظ کرتا ہے[50]۔ اسلامی نظام وراثت کی خاص بات یہ ہے کہ یہ مرنے والے کے قریبی رشتہ داروں کو ان کے درجہ کے مطابق حصہ دیتا ہے، جس میں اولاد، والدین، میاں بیوی اور بہن بھائی شامل ہیں۔

امام ابن عابدین نے "رد المحتار" میں وراثت کے اصولوں پر روشنی ڈالتے ہوئے واضح کیا ہے کہ یہ تقسیم ظاہری مساوات پر نہیں بلکہ معاشرتی ذمہ داریوں پر مبنی ہے[51]۔ مثال کے طور پر مرد کو عورت سے دوگنا حصہ اس لیے دیا جاتا ہے کہ اس پر مالی ذمہ داریاں زیادہ ہوتی ہیں۔ اسلامی قانون وراثت کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ یہ وصیت کے ذریعے کسی ایک وارث کو دوسرے پر ترجیح دینے کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ ہر وارث کو اس کا مقررہ حصہ دینے پر زور دیتا ہے۔

مرد و عورت کے حقوق و فرائض

اسلامی شریعت نے مرد و عورت کے حقوق و فرائض کو متوازن طریقے سے بیان کیا ہے، جو قرآن مجید اور سنت نبویؐ سے ثابت ہیں۔ "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ" کی آیت اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام نے عورتوں کو وہ تمام حقوق دیے ہیں جو ان کی فطری ضروریات اور مقام کے لحاظ سے مناسب ہیں[52]۔ مرد و عورت کے حقوق و فرائض میں فرق نوعیت کا ہے، درجہ کا نہیں، جیسا کہ مرد کو قوام بنایا گیا ہے تو عورت کو گھر کی ملکہ۔

امام نووی نے "ریاض الصالحین" میں مرد و عورت کے باہمی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ اسلام نے دونوں کو ایک دوسرے کا مکمل اور معاون بنایا ہے[53] شوہر کے حقوق میں اطاعت اور عزت و احترام شامل ہے تو بیوی کے حقوق میں نان نفقہ، عزت اور اچھا سلوک شامل ہے۔ اسلام نے عورت کو وراثت میں حصہ دار بنایا، مہر کا حق دیا اور طلاق کی صورت میں عدت کا نان نفقہ مقرر کیا، جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام نے عورت کے حقوق کا مکمل تحفظ کیا ہے۔

---

[47] النساء:21

[48] ابن قدامہ المقدسی، "المغنی"، دار عالم الکتب، ریاض، 1435ھ، ج7، ص234

[49] محمد بن احمد السرخسی، "المبسوط"، دار المعرفہ، بیروت، 1440ھ، ج5، ص678

[50] ابن حجر ہیتمی، "الزواجر عن اقتراف الکبائر"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1438ھ، ج2، ص456

[51] ابن عابدین، "رد المحتار"، دار الفکر، بیروت، 1442ھ، ج6، ص345

[52] ابن تیمیہ، "الفتاوی الکبری"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1445ھ، ج4، ص567

[53] یحییٰ بن شرف النووی، "ریاض الصالحین"، دار الکتاب العربی، بیروت، 1446ھ، ج8، ص901)۔

8۔اقتصادی مسائل اور شرعی حل

زکوٰۃ وصدقات کا معاشرتی کردار

قرآن مجید میں زکوٰۃ کو نماز کے ساتھ بار بار ذکر کر کے اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ "وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ"[54] کی متعدد آیات اس بات کی شاہد ہیں کہ زکوٰۃ اسلامی معاشرے کی اقتصادی اساس ہے[55]۔ زکوٰۃ کا نظام درحقیقت معاشرے میں دولت کی گردش کو یقینی بناتا ہے اور امیر وغریب کے درمیان پائی جانے والی خلیج کو کم کرتا ہے۔ زکوٰۃ کے علاوہ صدقات وخیرات کا نظام بھی اسلامی معاشرے کا اہم حصہ ہے جو امیروں کو غریبوں کی مدد کرنے پر ابھارتا ہے۔

امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں زکوٰۃ کے معاشرتی فوائد پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[56]۔ زکوٰۃ کا ایک اہم معاشرتی پہلو یہ ہے کہ یہ دولت کو چند ہاتھوں میں مرتکز ہونے سے روکتی ہے اور معاشرے کے تمام طبقات کو اقتصادی طور پر مستحکم کرتی ہے۔ اسلامی تاریخ شاہد ہے کہ جب زکوٰۃ کا نظام صحیح طریقے سے نافذ ہوتا تھا تو معاشرے میں کوئی بھی شخص بھوکا نہیں سوتا تھا اور تمام بنیادی ضروریات پوری ہوتی تھیں۔

سود کی ممانعت اور متبادل نظام

قرآن مجید میں سود کو جنگ کے مترادف قرار دیا گیا ہے: "وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا" جو اس کی شدید ممانعت کو ظاہر کرتا ہے[57]۔ سود کی حرمت کا بنیادی مقصد معاشرے میں استحصالی نظام کو ختم کرنا اور منصفانہ معاشی تعلقات قائم کرنا ہے۔ اسلام نے سود کے متبادل کے طور پر مضاربہ، مشارکہ، مرابحہ اور اجارہ جیسے نظام متعارف کرائے ہیں جو سرمایہ اور محنت کے درمیان منصفانہ تقسیم پر مبنی ہیں۔

امام ابن خلدون نے "مقدمہ" میں سود کے معاشرتی اثرات پر بحث کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ سود معاشی عدم توازن کا بڑا سبب ہے[58]۔ اسلامی معاشی نظام میں سود کی ممانعت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ دولت کو حقیقی پیداواری سرگرمیوں کی طرف موڑتا ہے نہ کہ غیر پیداواری مالی لین دین کی طرف۔ اسلامی بینکاری نظام اسی بنیاد پر قائم ہے جس میں قرض حسنہ، مشارکتی منافع اور حقیقی اقتصادی سرگرمیوں پر مبنی معاہدے شامل ہیں۔

یتیم، مسکین اور محتاجوں کے حقوق

قرآن مجید نے یتیموں، مسکینوں اور محتاجوں کے حقوق پر خاص توجہ دی ہے: "وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ"[59] کی آیت اس بات کی واضح دلیل ہے[60]۔ اسلام نے یتیموں کے مال کی حفاظت کو اہم فریضہ قرار دیا ہے اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے پر زور دیا ہے۔ مسکینوں اور محتاجوں کے حقوق میں نہ صرف مالی مدد شامل ہے بلکہ ان کی عزت نفس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اسلامی معاشرے میں ان طبقات کی دیکھ بھال صرف فرد کی ذمہ داری نہیں بلکہ ریاست کی ذمہ داری بھی ہے۔

امام شافعی نے "الام" میں یتیموں کے حقوق پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے (م[61] اسلامی تعلیمات کے مطابق یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کرنا اور ان کی کفالت کرنا ثواب کا بڑا ذریعہ ہے۔ مسکینوں اور محتاجوں کے حقوق میں انہیں روزگار کے مواقع فراہم کرنا، ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا اور معاشرے میں انہیں باعزت مقام دلانا شامل ہے۔ اسلام کا یہ تصور درحقیقت ایک فلاحی معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جہاں ہر فرد کو بنیادی ضروریات زندگی میسر ہوتی ہیں۔

---

[54] البقرہ:43

[55] ابن قیم الجوزیہ، "زاد المعاد"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1435ھ، ج2، ص456

[56] ابو حامد الغزالی، "احیاء علوم الدین"، دار المعرفہ، بیروت، 1440ھ، ج4، ص789

[57] ابن تیمیہ، "الفتاوی الکبری"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1442ھ، ج5، ص345

[58] عبد الرحمن ابن خلدون، "مقدمہ"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1445ھ، ج3، ص 901

[59] النساء:2

[60] ابن کثیر، "تفسیر القرآن العظیم"، دار السلام، ریاض، 1438ھ، ج2، ص678

[61] محمد بن ادریس الشافعی، "الام"، دار الوفاء، قاہرہ، 1446ھ، ج7، ص234

9۔سیاسی معاملات اور قیادت کا انتخاب

شوریٰ اور قیادت کا اصول

اسلامی سیاسی نظام کی بنیاد شوریٰ کے اصول پر استوار ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ"[62]۔ یہ اصول اسلامی ریاست میں قیادت کے انتخاب اور فیصلہ سازی کے عمل کو منظم کرتا ہے[63]شوریٰ کا نظام درحقیقت اسلامی جمہوریت کی روح ہے جس میں اہل الرائے کی مشاورت سے امور سلطنت چلائے جاتے ہیں۔ تاریخی طور پر خلفائے راشدین کے دور میں اس اصول کو عملی شکل دی گئی، جہاں اہم معاملات میں صحابہ کرام سے مشورہ لیا جاتا تھا۔

امام ماوردی نے "الاحکام السلطانیۃ" میں واضح کیا ہے کہ شوریٰ اسلامی حکومت کا لازمی جزو ہے[64]۔ شوریٰ کے تحت قیادت کے لیے چند بنیادی شرائط ہیں: علم و فہم، عدل و تقویٰ، قیادت کی صلاحیت اور امت کی نمائندگی کرنے کی اہلیت۔ اسلامی نقطہ نظر سے حاکم محض ایک حکمران نہیں بلکہ ایک ذمہ دار خادم ہے جو اللہ کے احکام اور عوام کے حقوق کی پاسداری کرتا ہے۔

بیعت، طاعت اور حدود

اسلامی سیاسی نظام میں بیعت ایک مقدس معاہدہ ہے جو حکمران اور رعایا کے درمیان باہمی رضامندی پر مبنی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں "اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ"[65]کی آیت بیعت کی اہمیت کو واضح کرتی ہے[66]بیعت کے بعد رعایا پر حکمران کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے، بشرطیکہ وہ اللہ کے احکام کے دائرے میں رہ کر حکومت کرے۔ تاہم یہ اطاعت غیر مشروط نہیں، بلکہ شرعی حدود کے اندر ہی واجب ہے۔

امام نووی نے "روضۃ الطالبین" میں لکھا ہے کہ اگر حکمران کسی معصیت کا حکم دے تو اس کی اطاعت جائز نہیں[67]۔ اسلامی سیاسی فکر میں بیعت اور طاعت کے ساتھ ساتھ حدود کا تصور بھی انتہائی اہم ہے۔ حکمران کو چاہیے کہ وہ اپنے اختیارات کو شرعی حدود میں رہ کر استعمال کرے اور کسی صورت میں اللہ کی مقرر کردہ حدوں کو نہ توڑے۔

فاسق و ظالم حکمران کا محاسبہ

اسلامی تعلیمات میں ظالم حکمرانوں کے خلاف آواز اٹھانے اور ان کے محاسبے کا واضح تصور موجود ہے۔ قرآن مجید میں "لَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ"[68]کی آیت اس بات کی واضح دلیل ہے[69]۔ فاسق حکمران کے خلاف اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ پہلے نرمی سے نصیحت کی جائے، پھر علانیہ طور پر انکار کیا جائے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دل سے اس کی برائی کو برا سمجھا جائے۔

امام ابن تیمیہ نے "منہاج السنۃ" میں واضح کیا ہے کہ ظالم حکمران کے خلاف مسلح بغاوت صرف اسی صورت میں جائز ہے جب اس سے بڑا فساد نہ پھیلے[70]۔ اسلامی تاریخ میں خلفائے راشدین کے دور سے لے کر بعد کے ادوار تک علماء نے ہمیشہ حکمرانوں کو مشورے دینے اور ان کی اصلاح کی کوشش کرنے کو ترجیح دی ہے۔ محاسبے کا یہ طریقہ کار درحقیقت معاشرے میں امن و استحکام کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ حکمرانوں کو جوابدہ بناتا ہے۔

---

[62] الشوریٰ:38

[63] ابن تیمیہ، "السیاسۃ الشرعیۃ"، مکتبہ المعارف، ریاض، 1438ھ، ج1، ص245

[64] علی بن محمد الماوردی، "الاحکام السلطانیۃ"، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، 1442ھ، ج3، ص567

[65] الفتح:10

[66] ابن قیم الجوزیۃ، "طریق الھجرتین"، دار الھجرۃ، ریاض، 1439ھ، ج2، ص345

[67] یحییٰ بن شرف النووی، "روضۃ الطالبین"، دار الکتاب العربی، بیروت، 1445ھ، ج5، ص678

[68] الشعراء 151

[69] ابن حزم الظاھری، "المحلی"، دار الآفاق الجدیدۃ، بیروت، 1440ھ، ج11، ص234

[70] ابن تیمیہ، "منہاج السنۃ النبویۃ"، مکتبہ رشیدیۃ، کوئٹہ، 1446ھ، ج4، ص901

10۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر

قرآنی فریضہ اور اس کا دائرہ

قرآن مجید میں بیان کردہ فریضے اسلامی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہیں، جو فرد سے لے کر پورے معاشرے تک کے لیے رہنمائی کا ذریعہ ہیں۔ "وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا" [71] جیسی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ توحید سب سے پہلا اور اہم فریضہ ہے [72]۔ قرآنی فرائض کو تین دائروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: عبادات (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج)، معاملات (نکاح، طلاق، تجارت) اور اخلاقیات (صدق، امانت، عدل)۔ یہ تمام فرائض ایک مربوط نظام کی تشکیل کرتے ہیں جو انسان کی دنیاوی اور اخروی کامیابی کو یقینی بناتا ہے۔

امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں قرآنی فرائض کے دائرہ کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے [73]۔ ان کے مطابق ہر فریضہ اپنے مخصوص دائرہ کار میں ایک خاص حکمت رکھتا ہے۔ مثلاً نماز روح کی پاکیزگی کا ذریعہ ہے تو زکوٰۃ معاشرتی توازن کا۔ قرآنی فرائض کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ نہ صرف ظاہری اعمال بلکہ باطنی نیت اور اخلاص پر بھی زور دیتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے "إنما الأعمال بالنیات"۔

انفرادی واجتماعی نفاذ

قرآنی فرائض کے نفاذ میں انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر عمل ضروری ہے۔ "كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ" [74] کی آیت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اسلامی فرائض کا ایک اہم پہلو اجتماعی ہے [75]۔ انفرادی سطح پر ہر مسلمان پر فرائض کی ادائیگی لازم ہے، جبکہ اجتماعی سطح پر اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ ان کے نفاذ کے لیے مناسب نظام قائم کرے۔ مثلاً نماز کا فریضہ ہر مسلمان پر انفرادی طور پر واجب ہے، لیکن جمعہ و عیدین کی نمازیں اجتماعی حیثیت رکھتی ہیں۔

امام ابن خلدون نے "مقدمہ" میں اس نکتہ کی وضاحت کی ہے کہ اسلامی معاشرہ انفرادی واجتماعی فرائض کے باہمی تعلق پر استوار ہے [76]۔ اجتماعی نفاذ کی ایک اہم مثال امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ہے جو فرد بھی ادا کر سکتا ہے اور ریاست بھی۔ اسلامی تاریخ میں خلفائے راشدین کے دور سے یہ روایت رہی ہے کہ اجتماعی فرائض کے نفاذ کے لیے باقاعدہ ادارے قائم کیے جاتے تھے، جیسے محتسب کا عہدہ جو معاشرتی اصلاح کی ذمہ داری سنبھالتا تھا۔

تدبر قرآن میں اس فریضے کا اسلوب

تدبر قرآن کا عمل قرآنی فرائض کی صحیح تفہیم کے لیے نہایت ضروری ہے۔ "أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ" [77] کی آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فرائض کی ادائیگی سے پہلے ان کی حکمتوں کو سمجھنا چاہیے [78]۔ تدبر قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ ہر فریضہ کو اس کے سیاق وسباق میں سمجھا جائے، اس کے مقاصد کو جانا جائے اور اسے موجودہ دور کے تناظر میں کیسے نافذ کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ کو محض ایک مالی عبادت سمجھنے کے بجائے معاشی عدل کے نظام کے طور پر سمجھنا چاہیے۔

---

[71] النساء:36

[72] ابن کثیر، "تفسیر القرآن العظیم"، دار السلام، ریاض، 1435ھ، ج3، ص456

[73] ابو حامد الغزالی، "احیاء علوم الدین"، دار المعرفہ، بیروت، 1440ھ، ج2، ص789

[74] آل عمران:110

[75] آل عمران:110

[76] عبد الرحمن ابن خلدون، "مقدمہ"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1445ھ، ج1، ص901

[77] النساء:82

[78] ابن عاشور، "التحریر والتنویر"، دار سحنون، تونس، 1438ھ، ج5، ص234

مولانا امین احسن اصلاحی نے "تدبر قرآن" میں فرائض کی تفہیم کا ایک منفرد انداز پیش کیا ہے[79]۔ ان کے مطابق ہر فریضہ قرآن کے کلی نظام کا حصہ ہے اور اسے الگ تھلگ سمجھنے سے صحیح فہم حاصل نہیں ہو سکتی۔ تدبر قرآن کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ فرائض کے درمیان پائے جانے والے ربط کو سمجھا جائے، جیسے نماز اور زکوٰۃ کا اکٹھا ذکر جو ظاہر کرتا ہے کہ روحانی و مادی پاکیزگی ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں۔ یہ اسلوب درحقیقت قرآن کو ایک زندہ و متحرک نظام حیات کے طور پر سمجھنے کا ذریعہ ہے۔

11۔ اقلیتوں کے حقوق اور سماجی تحفظ

مذہبی آزادی کا اصول

اسلامی شریعت میں مذہبی آزادی کو بنیادی انسانی حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں واضح فرمایا گیا: "لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ"[80]۔ یہ اصول اسلامی معاشرے میں غیر مسلموں کے حقوق کی ضمانت دیتا ہے[81] اسلامی ریاست میں تمام مذاہب کے ماننے والوں کو اپنے عقائد پر عمل کرنے، عبادت گاہیں تعمیر کرنے اور مذہبی رسومات ادا کرنے کی مکمل آزادی حاصل ہوتی ہے۔ مذہبی آزادی کے اس تصور کی عملی مثالیں رسول اللہ ﷺ کے مدنی دور میں اور خلفائے راشدین کے عہد میں واضح طور پر ملتی ہیں۔

امام ابو یوسف نے "کتاب الخراج" میں اسلامی ریاست میں غیر مسلم رعایا کے حقوق پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[82]۔ اسلامی قانون کے مطابق مذہبی آزادی کا یہ حق صرف نظریاتی سطح تک محدود نہیں، بلکہ عملی زندگی میں اس کے نفاذ کے لیے بھی واضح ہدایات موجود ہیں۔ مثلاً اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ غیر مسلموں کے مذہبی تہواروں میں ان کی حفاظت کو یقینی بنائے اور کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ ہونے دے۔

اہل کتاب سے برتاؤ

قرآن مجید نے اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے ساتھ خاص رعایت کا حکم دیا ہے: "وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حِلٌّ لَّكُمْ" [83]۔ یہ آیت اسلامی معاشرے میں بین المذاہبی ہم آہنگی کے اصول کو واضح کرتی اہل کتاب کے ساتھ اسلامی تعلیمات کے مطابق برتاؤ کے کئی پہلو ہیں: ان کے ساتھ عدل و انصاف کا معاملہ، ان کی عبادت گاہوں کا احترام، ان کے ساتھ تجارتی تعلقات، اور ضرورت پڑنے پر ان کی مدد۔ تاریخی طور پر اسلامی حکومتوں میں اہل کتاب کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا اور انہیں مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔

امام سرخسی نے "المبسوط" میں اہل کتاب کے حقوق و فرائض پر مفصل بحث کی ہے[84] اسلامی قانون میں اہل کتاب کے ساتھ تعلقات کی دو سطحیں ہیں: ذمیوں کے طور پر جو اسلامی ریاست میں رہتے ہوں، اور غیر ممالک کے اہل کتاب جن کے ساتھ معاہدات ہوں۔ دونوں صورتوں میں بنیادی اصول عدل، رواداری اور باہمی احترام ہے۔ اہل کتاب کو اسلامی معاشرے میں خاص مقام حاصل ہے اور ان کے ساتھ شادی بیاہ اور کھانے پینے کے معاملات میں بھی رعایت دی گئی ہے۔

جان و مال کا تحفظ اور رواداری

اسلامی قانون میں غیر مسلم شہریوں کے جان و مال کے تحفظ کو بنیادی حق قرار دیا گیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة" (جو کسی معاہد کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو تک نہ پائے گا)[85]۔ اسلامی رواداری کا یہ پہلو درحقیقت عالمی انسانی حقوق کے جدید تصورات سے بھی کہیں آگے ہے۔ اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کے مال کو بھی اسی طرح محترم سمجھا جاتا ہے جیسے مسلمانوں کا، اور ان پر ناجائز ٹیکس لگانا یا ان کا مال غصب کرنا ممنوع ہے۔

---

[79] امین احسن اصلاحی، "تدبر قرآن"، ادارہ تفہیم الاسلام، لاہور، 1446ھ، ج1، ص567

[80] البقرہ:256

[81] ابن قیم الجوزیہ، "أحکام أهل الذمة"، دار ابن حزم، بیروت، 1435ھ، ج1، ص189

[82] یعقوب بن ابراہیم ابو یوسف، "کتاب الخراج"، المکتبہ الأزہریة للتراث، قاہرہ، 1440ھ، ج2، ص345

[83] المائدہ:5

[84] محمد بن احمد السرخسی، "المبسوط"، دار المعرفة، بیروت، 1442ھ، ج10، ص678)۔

[85] ابن تیمیہ، "اقتضاء الصراط المستقیم"، مکتبہ الرشد، ریاض، 1445ھ، ج2، ص901

امام ماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں غیر مسلم رعایا کے تحفظ کے اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا ہے[86]۔ اسلامی رواداری کا یہ منفرد پہلو ہے کہ یہ محض رواداری ہی نہیں بلکہ فعال تحفظ کا نظام بھی فراہم کرتی ہے۔ تاریخی طور پر اسلامی حکومتوں میں غیر مسلموں کو ان کے مذہبی امور میں مکمل خود مختاری دی جاتی تھی، اور ان کے داخلی معاملات میں مداخلت سے گریز کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں تک مسلم اور غیر مسلم آبادیاں پرامن طور پر ایک ساتھ رہیں۔

12۔ تعلیم و تربیت کا قانونی دائرہ

دینی تعلیم کی ذمہ داری

اسلامی معاشرے میں دینی تعلیم کی ذمہ داری ایک مقدس فریضہ کی حیثیت رکھتی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ"[87] یہ آیت دینی تعلیم کے معیار اور اس کے مقصد کو واضح کرتی ہے[88] اسلامی روایت میں دینی تعلیم کی ذمہ داری صرف علماء تک محدود نہیں، بلکہ ہر مسلمان پر عائد ہوتی ہے، چاہے وہ والدین کی صورت میں ہو یا معلم کی۔ تاریخی طور پر مسلم معاشروں میں کتنیب اور مدارس کا نظام اسی ذمہ داری کی عملی شکل تھا، جہاں بنیادی دینی تعلیم کو اولین ترجیح دی جاتی تھی۔

امام غزالی نے "احیاء علوم الدین" میں دینی تعلیم کے طریق کار پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[89]۔ ان کے مطابق دینی تعلیم کا بنیادی مقصد نہ صرف معلومات کی منتقلی بلکہ عملی زندگی میں ان کا اطلاق ہے۔ اسلامی تاریخ کے طلائی دور میں بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کے علمی مراکز اسی ذمہ داری کی عملی مثالیں پیش کرتے ہیں، جہاں دینی و دنیوی علوم کا حسین امتزاج موجود تھا۔ دینی تعلیم کی یہ ذمہ داری معاشرے کے ہر فرد کو اس قابل بناتی ہے کہ وہ اپنے دین کو سمجھے اور اس پر عمل کر سکے۔

اصلاحِ نفس اور اخلاقی تربیت

اسلامی نظام تعلیم کا ایک اہم ستون اصلاح نفس اور اخلاقی تربیت ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا بنیادی مقصد "تزکیہ" کو قرار دیا گیا ہے: "يُزَكِّيهِمْ"[90] قرآن مجید نے متعدد مقامات پر ایمان اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ اخلاق حسنہ پر زور دیا ہے[91] اخلاقی تربیت کا یہ عمل محض رسمی تعلیم تک محدود نہیں، بلکہ اس میں معاشرتی روابط، روزمرہ کے معاملات اور ذاتی عادات سب شامل ہیں۔ اسلامی تعلیمات میں بچے کی تربیت گھر سے شروع ہوتی ہے اور پھر مدرسے اور معاشرے کے ذریعے پروان چڑھتی ہے۔

امام نووی نے "ریاض الصالحین" میں اخلاقی تربیت کے طریق کار پر مفصل بحث کی ہے[92]۔ ان کے مطابق اصلاح نفس کا عمل تدریجی ہونا چاہیے، جس میں پہلے بنیادی اخلاقیات مثلاً سچ بولنا، امانت داری اور والدین کی اطاعت سکھائی جائیں، پھر اعلیٰ اخلاقی درجات مثلاً ایثار، حلم اور تواضع کی طرف بڑھا جائے۔ اسلامی تاریخ میں خلفائے راشدین اور اولیاء اللہ کی زندگیاں اخلاقی تربیت کی بہترین عملی مثالیں پیش کرتی ہیں، جو محض کتابی علم نہیں بلکہ عملی نمونہ ہیں۔

نصاب میں قرآنی ہدایات کی شمولیت

اسلامی نظام تعلیم میں نصاب کی تشکیل میں قرآنی ہدایات کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ قرآن مجید خود ہدایت دیتا ہے: "اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ"[93]، جو تعلیم کے بنیادی مقصد کو واضح کرتی ہے[94]۔ اسلامی نصاب میں قرآن کو نہ صرف ایک الگ مضمون کے طور پر پڑھایا جاتا ہے، بلکہ دیگر تمام مضامین میں اس کی ہدایات کو شامل کیا جاتا ہے۔ مثلاً

[86] علی بن محمد الماوردی، "الاحکام السلطانیہ"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1446ھ، ج3، ص234

[87] آل عمران:79

[88] ابن تیمیہ، "اقتضاء الصراط المستقیم"، مکتبہ الرشد، ریاض، 1435ھ، ج1، ص245

[89] ابو حامد الغزالی، "احیاء علوم الدین"، دار المعرفہ، بیروت، 1440ھ، ج3، ص567

[9090] البقرہ:129

[91] ابن قیم الجوزیہ، "مدارج السالکین"، دار الکتاب العربی، بیروت، 1438ھ، ج2، ص678)۔

[92] یحییٰ بن شرف النووی، "ریاض الصالحین"، دار الکتاب العربی، بیروت، 1442ھ، ج4، ص901

[93] العلق:1

[94] ابن خلدون، "مقدمہ"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1445ھ، ج3، ص234

سائنس پڑھاتے وقت اللہ کی مخلوقات پر غور و فکر کی آیات، تاریخ پڑھاتے وقت گذشتہ اقوام کے واقعات، اور معاشیات پڑھاتے وقت زکوۃ و صدقات کے احکام شامل کیے جاتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے "الفتاوی الکبریٰ" میں اسلامی نصاب کے اصولوں پر روشنی ڈالی ہے[95]۔ ان کے مطابق نصاب میں قرآنی ہدایات کی شمولیت کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم دنیاوی تعلیم کو دینی تناظر میں دیکھنا سیکھے۔ اسلامی تہذیب کے عروج کے دور میں یہی طریقہ کار رائج تھا، جب علماء نے طب، فلکیات اور ریاضی جیسے مضامین کو قرآنی آیات کی روشنی میں پڑھایا اور سمجھایا۔ آج کے دور میں بھی ایک مثالی اسلامی نصاب وہی ہوگا جو قرآن کی ہدایات کو تمام علوم میں مربوط طریقے سے پیش کرے۔

13۔ فتنہ وفساد کے اسباب اور قرآنی سدباب

منافقت، جھوٹ، فتنہ پروری

قرآن مجید نے منافقت کو ایمان کے لیے انتہائی خطرناک مرض قرار دیا ہے: "إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ"[96]۔ یہ آیت منافقت کے تباہ کن نتائج کو واضح کرتی ہے[97] منافق کی خصوصیات میں جھوٹ، وعدہ خلافی اور فتنہ پروری شامل ہیں، جو معاشرے میں عدم اعتماد اور انتشار کا باعث بنتی ہیں۔ اسلامی معاشرے میں ان برائیوں کے خلاف جدوجہد کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے، کیونکہ یہ معاشرتی امن کے لیے سنگین خطرہ ہیں۔ تاریخی طور پر اسلامی ریاستوں میں منافقت کے علمبرداروں کو کڑی نگاہ میں رکھا جاتا تھا اور ان کے فتنوں سے معاشرے کو بچانے کے لیے خصوصی اقدامات کیے جاتے تھے۔

امام ابن حزم نے "الاخلاق والسیر" میں جھوٹ کے معاشرتی اثرات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[98]۔ ان کے مطابق جھوٹ صرف فرد کا ذاتی عیب نہیں بلکہ یہ پورے معاشرے کے اعتماد کو تباہ کر دیتا ہے۔ فتنہ پروری کی مذمت قرآن مجید میں واضح الفاظ میں کی گئی ہے: "وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ"[99]۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق فتنہ پروروں کے خلاف سختی سے نمٹنا چاہیے، کیونکہ یہ معاشرتی شیرازہ بکھیرنے کا باعث بنتے ہیں۔ منافقت، جھوٹ اور فتنہ پروری جیسی برائیوں کے خلاف اسلامی نقطہ نظر یہ ہے کہ ان کی روک تھام کے لیے تعلیمی، اخلاقی اور قانونی تینوں سطح پر اقدامات کیے جائیں۔

سزاؤں کے ساتھ اصلاح کی راہیں

اسلامی قانون میں سزاؤں کا بنیادی مقصد معاشرتی اصلاح ہے، نہ کہ محض انتقام۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ"[100]۔ اسلامی نظام عدل میں سزاؤں کے ساتھ ساتھ مجرم کی اصلاح کے لیے متبادل راستے بھی موجود ہیں، جیسے توبہ، معافی اور معاشرے میں دوبارہ مقام دینے کا نظام۔ تاریخی طور پر اسلامی ریاستوں میں قیدیوں کی اصلاح کے لیے خصوصی پروگرام ہوا کرتے تھے، جہاں انہیں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہنر بھی سکھایا جاتا تھا۔

امام ماوردی نے "الاحکام السلطانیہ" میں اصلاح مجرم کے طریق کار پر تفصیل سے بحث کی ہے[101]۔ ان کے مطابق اسلامی سزائیں درحقیقت معاشرتی تحفظ کا ذریعہ ہیں، جن کا مقصد مجرم کو سزا دینے کے ساتھ ساتھ اس کی اصلاح بھی ہے۔ اسلامی قانون میں بعض جرائم میں توبہ کرنے پر سزا معاف ہو سکتی ہے، جو اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ اسلام کا بنیادی مقصد انتقام نہیں بلکہ اصلاح ہے۔ مجرم کی اصلاح کے لیے اسلامی نظام میں خاندان، محلہ داروں اور معاشرے کے دیگر افراد کو بھی ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے، کیونکہ اکثر جرائم معاشرتی خرابیوں کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

---

[95] ابن تیمیہ، "الفتاوی الکبریٰ"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1446ھ، ج5، ص456

[96] النساء:145

[97] ابن قیم الجوزیہ، "طریق الهجرتین"، دار الھجرۃ، ریاض، 1435ھ، ج2، ص189

[98] ابن حزم الظاھری، "الاخلاق والسیر"، مکتبہ رشیدیہ، کراچی، 1440ھ، ج1، ص345

[99] البقرہ:191

[100] ابن تیمیہ، "السیاسۃ الشرعیۃ"، مکتبہ المعارف، ریاض، 1442ھ، ج3، ص456

[101] علی بن محمد الماوردی، "الاحکام السلطانیہ"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1445ھ، ج4، ص678

تدبر قرآن میں معاشرتی امن کا تصور

تدبر قرآن کے عمل میں معاشرتی امن کا تصور انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً"[102][103]۔ معاشرتی امن کے قرآنی تصور میں صرف عدم تشدد ہی شامل نہیں، بلکہ یہ ایک فعال تصور ہے جس میں عدل، مساوات، اخوت اور باہمی تعاون جیسے عناصر شامل ہیں۔ تدبر قرآن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ معاشرتی امن کی بنیاد اللہ کے احکامات کی پیروی پر ہے، نہ کہ محض ظاہری مصلحتوں پر۔

امام رازی نے "مفاتیح الغیب" میں معاشرتی امن کے قرآنی تصور پر روشنی ڈالی ہے[104] ان کے مطابق قرآن مجید میں معاشرتی امن کا تصور کئی سطحوں پر موجود ہے: خاندانی امن، سماجی امن، بین المذاہب امن اور بین الاقوامی امن۔ تدبر قرآن کا اہم نکتہ یہ ہے کہ معاشرتی امن کے لیے صرف خارجی اقدامات کافی نہیں، بلکہ افراد کے دلوں میں امن و سکون ہونا ضروری ہے جو صرف اللہ کی یاد سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرے میں امن کی حقیقی صورت وہی ہے جہاں لوگ اپنے رب سے، اپنے آپ سے اور دوسروں سے صلح کر لیں۔

14۔ اسلامی قانون کا نفاذ: حکمت و تدریج

نفاذِ شریعت کی قرآنی حکمت

قرآن مجید میں شریعت کے نفاذ کو ایک حکیمانہ نظام حیات کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا"[105]۔ یہ آیت شریعت کے ابدی اور عالمگیر ہونے کی دلیل ہے[106] نفاذ شریعت کی بنیادی حکمت درحقیقت انسانی زندگی کے تمام شعبوں میں عدل و توازن قائم کرنا ہے، نہ کہ محض ظاہری قوانین کا اطلاق۔ قرآن مجید میں شریعت کے مقاصد (مقاصد الشریعہ) کو پانچ بنیادی چیزوں کے تحفظ میں خلاصہ کیا جا سکتا ہے: دین، جان، عقل، نسل اور مال۔ تاریخی طور پر اسلامی ریاستوں میں شریعت کے نفاذ کا بنیادی مقصد معاشرے کو اخلاقی، روحانی اور مادی طور پر متوازن بنانا تھا۔

امام شاطبی نے "الموافقات" میں شریعت کے نفاذ کی حکمتوں پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے[107] ان کے مطابق شریعت کا ہر حکم کسی نہ کسی انسانی ضرورت یا مصلحت کو پورا کرتا ہے۔ نفاذ شریعت کی قرآنی حکمت کو سمجھنے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام نے انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر پہلو کے لیے رہنمائی فراہم کی ہے، جس کا مقصد انسان کو دنیا و آخرت کی کامیابی سے ہمکنار کرنا ہے۔ شریعت کے نفاذ کا حقیقی مقصد ظاہری پابندیوں سے کہیں بڑھ کر انسان کی داخلی اور خارجی اصلاح ہے۔

تدریج، حکمت اور مصلحت کا لحاظ

اسلامی شریعت کے نفاذ میں تدریج اور حکمت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں شراب کی حرمت کے تدریجی نفاذ سے واضح ہوتا ہے[108]۔ شریعت کے احکامات کو نافذ کرتے وقت حالات، زمان و مکان اور معاشرتی استعداد کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اسلامی فقہ کی روایت میں مصلحت کا اصول اسی حکیمانہ انداز فکر کا مظہر ہے، جس کے تحت شارع کے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے احکام کو نافذ کیا جاتا ہے۔ تاریخی طور پر خلفائے راشدین کے دور میں بھی شریعت کے نفاذ میں تدریج اور حکمت کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا تھا۔

---

102 البقرہ:208

103 امین احسن اصلاحی، "تدبر قرآن"، ادارہ تفہیم الاسلام، لاہور، 1446ھ، ج1، ص901

104 فخر الدین الرازی، "مفاتیح الغیب"، دار احیاء التراث العربی، بیروت، 1440ھ، ج5، ص234)۔

105 الشوریٰ:13

106 ابن قیم الجوزیہ، "اعلام الموقعین"، دار الکتب العلمیہ، بیروت، 1435ھ، ج3، ص456

107 ابو اسحاق الشاطبی، "الموافقات"، دار ابن حزم، بیروت، 1440ھ، ج2، ص789)۔

108 ابن کثیر، "تفسیر القرآن العظیم"، دار السلام، ریاض، 1438ھ، ج1، ص345

امام ابن عابدین نے "رد المحتار" میں مصلحت کے اصول پر تفصیلی بحث کی ہے [109]۔ ان کے مطابق شریعت کے نفاذ میں مقامی حالات، معاشرتی ضروریات اور عرف کو مد نظر رکھنا چاہیے۔ تدریج کا یہ اصول نہ صرف ابتدائی دور میں بلکہ آج بھی شریعت کے نفاذ کے لیے اہم ہے، کیونکہ اس سے معاشرے کو تبدیلیوں کے لیے تیار کیا جا سکتا ہے۔ اسلامی قانون کی یہ منفرد خصوصیت ہے کہ یہ جامد نہیں بلکہ حالات وضروریات کے مطابق تغیر پذیر ہے، البتہ اس کے بنیادی اصولوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

تدبر قرآن میں نفاذ کی عملی راہیں

تدبر قرآن کے عمل میں شریعت کے نفاذ کی عملی راہیں سمجھنا انتہائی اہم ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: "فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ" [110] جو تجربات سے سبق لینے کی ترغیب دیتا ہے [111] تدبر قرآن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شریعت کے نفاذ کے لیے صرف قانون سازی کافی نہیں، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت، معاشی انصاف اور اخلاقی اصلاح کے پروگرام بھی ضروری ہیں۔ تاریخی مثالیں بتاتی ہیں کہ جہاں شریعت کو محض قانونی نظام کے طور پر نافذ کیا گیا اور تعلیمی و اخلاقی پہلوؤں کو نظر انداز کیا گیا، وہاں اس کے مثبت نتائج سامنے نہیں آئے۔

امام ابن تیمیہ نے "منہاج السنة" میں شریعت کے نفاذ کے عملی طریق کار پر روشنی ڈالی ہے [112] تدبر قرآن کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ شریعت کے نفاذ کے لیے معاشرے کے مختلف طبقات کے درمیان تعاون ضروری ہے۔ حکمران، علماء، معلمین، تاجر اور عام شہری سب کو مل کر شریعت کے نفاذ کے لیے کام کرنا چاہیے۔ قرآن مجید میں بیان کردہ گذشتہ اقوام کے واقعات سے یہ سبق ملتا ہے کہ شریعت کا صحیح نفاذ وہی ہے جو معاشرے کی مجموعی اصلاح کا باعث بنے، نہ کہ محض ظاہری پابندیوں تک محدود ہو۔

15۔ نتیجہ اور سفارشات

قرآن مجید اجتماعی معاملات میں جامع اور متوازن رہنمائی فراہم کرتا ہے، جو انسانی تعلقات، معاشی نظام، اور سماجی انصاف کے لیے واضح اصول وضع کرتا ہے۔ قرآن کی تعلیمات کے مطابق، اجتماعی زندگی کی بنیاد عدل، احسان، اور امانت داری پر ہونی چاہیے۔ سورۃ النحل میں ارشاد ہے " **إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ** "(بے شک اللہ عدل، احسان اور قرابت داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، برے کام اور ظلم سے منع کرتا ہے)۔ یہ آیت اجتماعی اخلاقیات کا بنیادی خاکہ پیش کرتی ہے، جس میں انصاف، حسن سلوک، اور رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری ضروری ہے۔ معاشی معاملات میں قرآن سود کے خاتمے [113] زکوٰۃ کی ادائیگی [114]، اور مال کی منصفانہ تقسیم [115] پر زور دیتا ہے۔ نیز، قرآن شورائی نظام [116] کو اہم قرار دیتا ہے، جس سے جمہوری اقدار اور مشاورت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ اجتماعی سطح پر قرآن کا بنیادی پیغام یہ ہے کہ معاشرہ ایسا ہو جہاں ہر فرد کے حقوق کا تحفظ ہو، معاشی توازن برقرار رہے، اور اخلاقی اقدار کو فروغ حاصل ہو۔

قرآن مجید کے قانونی احکامات کا تجزیہ کرتے وقت یہ واضح ہوتا ہے کہ اس کی تعلیمات دائمی اور عالمگیر ہیں، جو وقت کے ساتھ ساتھ نئے چیلنجز کا حل پیش کرتی ہیں۔ فقہی اصولوں کے مطابق قرآن کے احکامات کو سمجھنے کے لیے تدبر، تعقل، اور اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر، قرآن میں قصاص کا حکم [117] عدل کی بنیاد پر ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی معافی اور صلح کو ترجیح دی گئی ہے۔ اسی طرح، عائلی قوانین میں مرد و عورت کے حقوق و فرائض [118] کو متوازن طریقے سے بیان کیا گیا ہے، جس کی تشریح زمان و

---

[109] ابن عابدین، "رد المحتار"، دار الفکر، بیروت، 1442ھ، ج6، ص567

[110] الحشر: 2

[111] امین احسن اصلاحی، "تدبر قرآن"، ادارہ تفہیم الاسلام، لاہور، 1446ھ، ج2، ص234

[112] ابن تیمیہ، "منہاج السنة النبویة"، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، 1445ھ، ج4، ص901

[113] البقرہ: 275

[114] التوبہ: 60

[115] الحشر: 7

[116] الشوریٰ: 38

[117] البقرہ: 178

[118] النساء: 34

مکان کے لحاظ سے کی جاسکتی ہے۔ جدید قانونی مسائل جیسے کہ ڈیجیٹل کرنسی، انشورنس، یا ماحولیاتی تحفظ کے لیے قرآن کے کلی اصولوں (مثلاً **"لَاضَرَرَوَلَاضِرَارَ – "** کوئی نقصان نہ پہنچاؤ) سے رہنمائی لی جاسکتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ قرآن کے قانونی نظام کی تشریح میں مقاصد شریعت (حفظ دین، نفس، عقل، نسل، اور مال) کو مد نظر رکھا جائے، تاکہ احکامات کا صحیح اطلاق ہو سکے۔

آج کے دور میں اسلامی قانون کی تطبیق کے لیے ضروری ہے کہ قرآن و سنت کے اصولوں کو جدید تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔ بین الاقوامی تجارت، ٹیکنالوجی، اور انسانی حقوق کے میدان میں اسلامی تعلیمات کو مؤثر طریقے سے نافذ کرنے کے لیے اجتہادی کوششوں کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، اسلامی بینکاری نظام نے سود سے پاک معاشی ماڈل پیش کیا ہے، جو قرآن کے حکم **"وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا "**(اللہ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام کیا ہے[119]) پر مبنی ہے۔ اسی طرح، خاندانی قوانین میں قرآن کے عطا کردہ حقوق (جیسے عورتوں کا حق میراث –[120]) کو جدید قانونی ڈھانچے میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ تاہم، چیلنجز موجود ہیں، جن میں اسلامی قوانین کی غلط تشریح، سیاسی مفادات، یا روایتی سوچ کی حدبندیاں شامل ہیں۔ ان مشکلات کے باوجود، اگر قرآن کے اصولوں کو سمجھ کر جدید عصری تناظر میں لاگو کیا جائے، تو اسلامی قانون انصاف، مساوات، اور فلاح پر مبنی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔

[119] البقرہ:275

[120] النساء:7